ڈاکٹر الیاس عشقیؔ (محمد الیاس خان یوسف زئی)

- پیدائش: ۲ - جون ۱۹۲۲ء جے پور
- وفات: ۱۲ - جنوری ۲۰۰۷ء ریاض (سعودی عرب)
- تصانیف: شعر آشوب (فارسی شعری مجموعہ)، دوہا ہزاری، گنبدِ بے در (اُردو شعری مجموعے)، آوازِ لطیفؒ (نثری تحقیقات و تخلیقات)

سندھی شاعری کے تراجِم

حاصلاتِ تعلُّم

یہ سبق پڑھ کر طلبہ: (۱)نثر میں رموزِ اوقاف کا درست استعمال کرسکیں۔ (۲)کسی ادب پارے کے حسن و قبح کا اندازہ کرسکیں۔ (۳)تخلیقی سطح کی کوئی تحریر (کہانی، افسانہ) کا مناسب انتخاب کرکے پیش کرسکیں۔

ترجمہ ایک دشوار فن سمجھا جاتا ہے۔ اس وجہ سے بڑے بڑے مُترَجِم اپنے کام سے خوف زدہ رہے ہیں۔ اس خوف کے کئی ڈراؤنے پہلو ہیں۔ جتنا خوف اُتنے وسوسے۔ ہزاروں باتیں سننے میں آتی ہیں۔ مثلاً: یہ کہ مُترَجِم کے لیے اس پائے کے علم اور تجربے کی ضرورت ہوتی ہے جو اس کتاب یا فن پارے کے مصنف کا ہو جس کا ترجمہ کرنا مقصود ہو۔مصنف تو جس زبان میں لکھتا ہےوہ چاہے اس زبان کا ماہر ہو یا نہ ہو لیکن مُترَجِم کے لیے ضروری ہے کہ وہ دونوں زبانوں کا ماہر ہو۔ ایک وہ جس سے ترجمہ کرنا مقصود ہو اور دوسری وہ جس میں ترجمہ کرنا ہو۔ مُترَجِم کو اصل مصنف کے انداز میں اور لِسانی خصوصیات کے علاوہ اس کے تعلیمی معیار، اس کے عام حالات، زندگی کے بارے میں اس کے نظریات اور عصری تقاضوں سے جس قدر واقفیت ہوگی اس کے لیے اتنا ہی بہتر ہے یعنی یہ باتیں اس کے بہتر مترجم ہونے میں مُمِدّو معاون ثابت ہوتی ہیں یہ اور ایسی بہت سی باتیں ترجمے کے کام کو دشوار بناتی ہیں۔ لیکن یہ سب باتیں نِصف صداقتیں ہیں۔ دنیا کے بہترین مترجم نہ ان شرائط کو پورا کرتے ہیں اور نہ اس معیار پر پورے اترتے ہیں۔ بالفرضِ محال اگر یہ سب باتیں کسی ایک شخص میں جمع بھی ہوجائیں تو یہ کب لازم آتا ہے کہ وہ ضرور ایک اچھا مترجم بھی ثابت ہوگا۔ پھر یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ ترجمہ کیسا ہی تخلیقی کیوں نہ ہو آخر ترجمہ ہی ہوتا ہے۔

سندھی شاعری کے منظوم ترجموں کا سلسلہ شاہ عبداللّطیف بھٹائی کی شاعری کے ترجمے سے شروع ہوتا ہے۔ اس سلسلے میں اب تک جو کچھ معلوم ہوسکا ہے وہ یہ ہے کہ شاہ کے رسالے کا اولین منظوم ترجمہ ہالا کے مولوی ہدایت اللہ مرحوم نے فارسی زبان میں کیا تھا۔ وہ اس ترجمے کے مسودے کو ہر وقت اپنے

ساتھ رکھتے تھے۔ بد قسمتی سے کراچی جاتے ہوئے یہ ترجمہ ٹھٹھے کی ایک مسجد میں یا وہ خود بھول گئے یا کسی نے اسے چُرالیا۔ اس ترجمے میں سے اب صرف ”سُر سَسّی آبری“ میں سے صرف ایک یا دو داستانیں نامکمل صورت میں ملتی ہیں اور وہ بھی ایسی حالت میں کہ کم سَواد نقل نویس نے بعض الفاظ اس طرح لکھ دیے ہیں کہ وہ پڑھے نہیں جاتے یا پھر اس میں سے بعض اشعار غلط نقل ہوئے ہیں جن کا درست کرنا آسان کام نہیں ہے۔ اس ترجمے کو دیکھنے سے معلوم ہوجاتا ہے کہ مولوی ہدایت اللہ عربی اور فارسی زبانوں سے بہ خوبی واقف تھے۔ اور اُنھوں نے شاہ کے ترجمے کا ایک گُر پالیا تھا۔مُترجِم کو شاہ اور رومی کے کلام میں جو مُماثَلت نظر آئی، اس کے پیشِ نظر اُنھوں نے اپنے ترجمے کی زبان اور بیان میں مثنوی معنوی (مولانا رومؒ کی مثنوی) کی پیروی کی اور اس انداز کا ترجمہ اُنھوں نے بڑی کام یابی سے کیا۔یہی وجہ ہے کہ ان کا ترجمہ اصل سے وفادار بھی ہے اور خوب صورت بھی کیوں کہ رومی اور شاہ کے فکر و فن میں کافی مشترکات نظر آتے ہیں۔ چناں چہ فارسی جاننے والوں کے لیے اس ترجمے میں مکمل ابلاغ کے ساتھ سرمایۂ کیف بھی موجود ہے۔ اب تک شاہ کے کلام کے جتنے ترجمے ہوئے ہیں ان میں اسی ترجمے کا معیار بلند ہے۔ اس ترجمے کے گم ہوجانے سے لطیفیات کے ذخیرے میں ناقابلِ تلافی نقصان ہی نہیں بلکہ محرومی کا احساس بھی ہوتا ہے۔

اس ترجمے کے بعد انگریزی زبان میں ڈاکٹر سورلے کا ترجمہ سامنے آتا ہے۔ سورلے کی کتاب ”شاہ عبداللّطیفؒ آف بھٹ“ اب تک شاہ پر لکھی جانے والی کتابوں میں سب سے زیادہ مُحقّقانہ، مُعتبَر اور بلند پایہ کتاب ہے۔ اس کتاب کے لیے سورلے کو شاہ کے کلام کا ترجمہ بھی کرنا پڑا اور شاہ کے کلام کا مُعتَدّبہ حصّہ انگریزی دانوں تک پہنچ گیا۔ یہ ترجمہ ترجمانی کی حد تک بہت کام یاب ہے۔ سورلے کا ترجمہ آزاد ہےاور یورپ میں مشرقی ادب سے دل چسپی رکھنے والے قارئین کو نظر میں رکھ کر کیا گیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ مُستشرِقین اپنی ساری ذہنی ، کسبی، علمی اور تحقیقی صلاحیتوں کے باوجود مشرق کے تخلیقی ذہن ، فنی روایات اور زبانوں سے اہلِ مشرق کی طرح واقفیت نہیں رکھتے۔ اس لیے ان کے تراجم اکثر ترجمانی کی حد سے آگے نہیں بڑھتے۔یہی وجہ ہے کہ اعلیٰ پائے کے ترجمے کم دست یاب ہوتے ہیں۔

انگریزی زبان میں شاہؒ کے رسالے کے منظوم ترجمے زیادہ تر منتخب اشعار تک ہیں۔ کہیں یہ تعداد چند ابیات تک محدود رہی ہے تو کہیں سیکڑوں ابیات کا ترجمہ بھی ہوا ہے۔ اس قسم کے ترجموں میں تیرتھ داس کا ترجمہ جو اگرچہ تعدادِ ابیات کے اعتبار سے کم ہے لیکن سادہ و رواں زبان میں کیا گیا ہے۔تیرتھ نے زیادہ توجّہ سچّل سرمست کے کلام پر کی ہے۔ وہ ان کے فارسی کلام کا دِل دادہ تھااور اس کے ترجموں میں زیادہ تعداد سچل کی فارسی مثنویوں کے اقتباسات کی ہے تاہم شاہ کے کلام کا جس قدر ترجمہ کیا گیا ہےوہ ترجمانی کی اچھی مثال ہے۔ مسز ایلسا قاضی اور جی الانا کے سوا شاہ کے تمام منظوم ترجمے ضرورت کے تحت کیے گئے تھے۔

سندھ میں کیے جانے والے انگریزی ترجموں میں تین قابلِ ذکر ہیں۔ پہلا ترجمہ پروفیسر اکرم انصاری کا ہے جو اُن کے طویل غور و فکر کا نتیجہ ہے۔ اس لیے عالمانہ اور فلسفیانہ انداز لیے ہوئے ہےاور اس سے

ایک عام قاری لطف اندوز نہیں ہوسکتا۔ دوسرا ترجمہ جی الانا صاحب کا ہے جو کچھ دن ہوئے بڑی آب و تاب سے شایع ہوا ہے۔ اس سے بھی شاہ کے خیالات کا ابلاغ ہوجاتا ہے۔ تیسرا ترجمہ مسز ایلسا قاضی کا کِیا ہوا ہے جو مرحوم علامہ آئی آئی قاضی کی شریکِ حیات اور ایک جرمن تھیں اور جنھیں مستشرقین میں شامل کرنے کو جی نہیں چاہتا۔ مرحومہ بڑی خوبیوں کی مالک تھیں۔ انگریزی زبان میں شاعری کرتی تھیں۔ اگرچہ انگریزی ان کی مادری زبان نہ تھی لیکن اس پر اُنھیں مکمل دست رس حاصل تھی۔ پاکستان میں اپنے طویل قیام کی وجہ سے اُنھوں نے سندھ کے ماحول، روایات اور ثقافت کا گہری نظر سے مطالعہ کیا تھا۔ اس کے علاوہ اُنھیں علامہ قاضی کی ہم راہی اور ہم سری حاصل تھی۔ اُنھوں نے ایک شاعر کی طرح شاہ کی شاعری کو سمجھا اور محسوس کیا۔ اس حد تک کہ اسے اپنے اوپر طاری کرلیا جس کا بیان اے کے بروہی صاحب نے ان کے ترجموں کے مجموعے پر اپنے فاضلانہ مقدمے میں کیا ہے۔اس ترجمے میں انوکھی بات یہ ہے کہ رِدم اور وزن ہی نہیں بلکہ قافیے کے استعمال کے سلسلے میں بھی اصل کی پیروی کی گئی ہے۔ اس وجہ سے بلاشک یہ ترجمہ انگریزی ترجموں کی تاریخ میں ہمیشہ خوب صورت، بلند پایہ اور معیاری سمجھا جائے گا۔ اے کے بروہی صاحب کے نزدیک تو یہ ترجمہ اس عہد کا بہترین ترجمہ ہے۔ یقیناً اس کی یہ خصوصیت کہ اس کا وزن سندھی بیت کے وزن سے قریب ہے اور اس میں قافیے بھی سندھی بیت کی پیروی میں ہمیشہ مصرعے کے آخر ہی میں نہیں بلکہ کبھی کبھی مصرعِ اوّل اور مصرعِ آخر کے درمیان میں بھی لائے گئے ہیں اور یہ مغربی شاعری کی روایت نہیں ہے۔ یہ ترجمہ اس اعتبار سے منفرد ہے۔

یورپ کی دوسری زبانوں میں شاہ کے کلام کے ترجمے شاذ و نادر ہی ہوئے ہیں۔ ان میں پروفیسر ڈاکٹر این مری شمل کا جرمن ترجمہ قابلِ ذکر ہے۔

اردو زبان میں شاہ کے کلام کے ترجمے پچھلے پینتیس سال سے کیے جا رہے ہیں اور یہ سلسلہ اب بھی جاری ہے۔ ان میں سے بیش تر ترجمے منظوم ہیں مگر ان سب مُترجَمین میں شیخ ایاز کی کوشش قابلِ قدر اور تاریخی اہمیت کی حامل ہے۔ اُنھوں نے شاہ کے مکمل رسالے کا ترجمہ اردو نظم میں کیا ہے جو دو بار طبع ہوچکا ہے۔ اس ترجمے کی نمایاں خوبی یا کم زوری یہ ہے کہ یہ اردو شاعری کے عام انداز اور تغزل میں کیا گیا ہے۔ اسی وجہ سے یہ ترجمہ خوش آیند ہے۔ ایاز کا ترجمہ اہلِ ذوق کو پسند ہے۔ ویسے بھی یہ ایک آزاد ترجمہ ہے۔

اُردو زبان میں جو دوسرے ترجمے ہوئے ہیں۔ ان میں رشید احمد لاشاری مرحوم کے ترجمے کو اس لیے اہمیت حاصل ہے کہ مرحوم نے پہلے ایاز اور آفاق صدیقی کے انداز میں ترجمے کا آغاز کیا اور مختلف بحروں میں بندوں کی مختلف ترتیبوں میں ترجمہ کرنے کی کوشش کی۔ ایک پروگرام کے لیے میں نے چند سندھی بیتوں کا ترجمہ اُردو بیتوں کی صورت میں کیا۔ اس صنف کی اردو شکل لاشاری مرحوم کو پسند آئی اور اُنھوں نے سُر کلیان اور ایمن کلیان کی چند داستانوں کا انتخاب کرکے اُردو بیتوں کی صورت میں ان کا ترجمہ کیا جو بعد میں میں ایک مختصر کتاب کی صورت میں چھپ گیا تھا۔ اسی زمانے میں بعض دوستوں کے اصرار پر راقِمُ الحُروف نے بھی

پچاس ساٹھ بیتوں کا ترجمہ اسی انداز میں کیا ہے، جسے دوستوں نے پسند کیا اور ہمت افزائی بھی کی۔

اُردو میں شاہ لطیف کے کلام کے اکثر ترجمے قابلِ مطالعہ ہیں۔ سندھی موسیقی کا کمال کہیے کہ اردو میں بیتوں کے مقابلے میں شاہ کی وائیوں کا ترجمہ زیادہ ہوا ہے اور جو تھوڑا بہت تعارف شاہ عبداللّطیف بھٹائی کی شاعری کا اردو داں طبقے سے ہواہے وہ اُنھیں ترجموں کی بہ دولت ہے۔ چناں چہ ہم جانتے ہیں کہ شاہ لطیف، سچل سرمست، عبدالقادر بیدل اور شیخ ایاز آج قارئین کے لیے نئے نام نہیں ہیں۔ اور تعجب یہ ہے کہ اردو کے ایسے شعرا کا کارنامہ ہے جن میں سے اکثر سندھی زبان سے کَماحَقّہٗ واقف نہیں ہیں۔ اردو تراجم کی بہترین مثال وہ ترجمے ہیں جو کبھی کبھی شیخ ایاز نے شاہ لطیف، سچل سرمست اور خود اپنے کلام کے اردو نظم میں کیے ہیں۔

آفاق صدیقی نے پچھلے چوبیس سال میں سندھی زبان کے متعدد کلاسیکی اور جدید شعرا کے فن پاروں کے کام یاب ترجمے کیے ہیں چوں کہ یہ ترجمے ایک طویل مدت میں اطمینان اور توجہ سے کیے گئے ہیں اس لیے ان میں سے اکثر ترجمے معیاری ہیں۔ دوسرے شعرا میں جنھوں نے وقتاً فوقتاً شاہ کے کلام کے منظوم ترجمے کیے ہیں۔ رئیس امروہوی، ابن انشا، آذر نایاب، حمایت علی شاعر، حفیظ ہوشیارپوری، لطف اللہ بدوی، جمیل نقوی اور عاصمہ حسین قابلِ ذکر ہیں۔

شاہ کے علاوہ کلاسیکل شاعری میں سچل سرمستؒ، بیدل، گرھوڑیؒ، شاہ عبدالکریمؒ، شاہ محمد زمانؒ لواری شریف والے اور دوسرے شعرا کے ترجمے اردو زبان میں کافی تعداد میں ہوتے رہے ہیں۔ جن لوگوں کے پورے کلام کا ترجمہ ہوچکا ہے ان میں شاہ لطیفؒ کے علاوہ شاہ محمد زمانؒ لواری کا نام خاص ہے، جن کے ابیات کا ترجمہ فارسی نظم میں نیاز ہمایونی صاحب نے کیا ہے اور اردو میں یہ سعادت پروفیسر ڈاکٹر نجم الاسلام کے حصے میں آئی ہے۔ یہ دونوں ترجمے چھپ کر شایع ہوچکے ہیں۔ میں وُثوق کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ سندھی کا کوئی معروف کلاسیکی اور جدید شاعر ایسا نہ ہوگا جس کے کلام کا کچھ نہ کچھ حصہ اردو میں منتقل نہ ہوا ہو۔ یہ الگ بات ہے کہ بعض کے کلام کا زیادہ حصہ اردو میں ترجمہ ہوگیا ہے اور بعض کا کم۔ لیکن کیا یہ کم ہے کہ ترجمے کا یہ کام برابر ہوتا رہا ہے۔ اور اب بھی ہورہا ہے۔ کتابی صورت میں چھپنے والے ترجموں میں شیخ ایاز کے منتخب کلام کا ترجمہ ”حلقہ مری زنجیر کا“ جسے اردو کی مشہور شاعرہ فہمیدہ ریاض نے منظوم کیا ہے۔ آفاق صدیقی غالباً پہلے شخص ہیں جنھوں نے سندھی شعرا کے کلام کے منظوم ترجمے کا آغاز کیا تھا، جسے بعد میں منظر ایوبی، آذر نایاب، احسن حمیدی، حمایت علی شاعراور محسن بھوپالی وغیرہ نے آگے بڑھایا۔ جدید سندھی شعرا کے کلام کو اردو میں منتقل کرنے کے سلسلے میں راقم الحروف کی ناچیز کوششوں کو بھی دخل رہا ہے، تئیس (۲۳) جدید شعرا کی ڈھائی سو کے قریب منتخب نظموں کا ایک منظوم ترجمہ ”موج موج مہران“ کے نام سے انجمن ترقی اردو نے شایع کیا تھا۔

(ماخوذ از : الیاس عشقی کی اردو نثر)

مشق

سوال نمبرا : درج ذیل سوالات کے جواب دیجیے:

(۱) فن ترجمہ نگاری کسے کہتے ہیں؟

(۲) اچھے مترجم میں کیا کیا خوبیاں ہونی چاہییں؟

(۳) سندھی زبان کے منظوم ترجموں کا سلسلہ کہاں سے شروع ہوتا ہے؟

(۴) "شاہ جو رسالو" کا اوّلین منظوم ترجمہ کس نے کیا؟

(۵) مولانا رومی کون تھے اور شاہ لطیف سے ان کا کیا تعلق تھا؟

(۶) شاہ کے کلام کا جو ترجمہ مسز ایلسا قاضی نے کیا وہ کیوں منفرد ہے؟

سوال نمبر۲: درست جواب پر (✓) کا نشان لگائیے:

(۱) مترجم کو عبور ہونا چاہیے:

(الف)زبانوں پر (ب)عصری تقاضوں پر (ج)حالات پر (د)نظریات پر

(۲) شاہ کے مکمل رسالے کا ترجمہ اردو نظم میں کیا ہے:

(الف)شیخ ایاز نے (ب)رشید احمد لاشاری نے (ج)ڈاکٹر نجم الاسلام نے(د)فہمیدہ ریاض نے

(۳) جرمن ترجمہ قابلِ ذکر ہے:

(الف)ایلسا قاضی کا(ب)این مری شمل کا (ج)جی الانا کا (د)اکرم انصاری کا

(۴) معیاری ترجمہ کرنے کے لیے واقفیت ضروری ہے:

(الف) زبان اور ادبیات سے (ب) زبانی اور فنی روایات سے

(ج) ادبی فکر اور فلسفے سے (د) ادبی ذوق اور مطالعے سے

(۵) شاہ محمد زمان لواری کے ابیات کا اردو ترجمہ کیا ہے:

(الف)نیاز ہمایونی نے (ب)ڈاکٹر نجم السلام نے

(ج)ابن انشا نے (د)حفیظ ہوشیار پوری نے

واوین(""): واوین وہ علامت ہے جو کسی تحریر کا اقتباس پیش کرتے وقت یا کسی کا قول پیش کرتے وقت لگائی جاتی ہے۔ مثلاً: "اپنا خیال رکھنا راہی، جلد ملاقات ہوگی"۔ فاروق نے کہا۔

کسی کتاب، باب، کہانی، مضمون وغیرہ کا نام لکھتے ہوئے یا کسی لفظ کو واضح کرنے کے لیے بھی واوین کا استعمال ہوتا ہے۔ مثلاً: کتاب "شاہ عبداللّطیف آف بھٹ" ڈاکٹر سورلے نے تحریر کی۔

سوال نمبر۳: دیے گئے پیراگراف میں واوین کا استعمال کیجیے:

امتیاز صاحب نے ڈپٹی نذیر احمد کی کتاب توبۃ النصوح اور ناصر کاظمی کی برگِ نے لاکر اپنے طلبہ کو پڑھنے کے لیے دی۔ سرور کو برگِ نے پسند آئی۔

سرگرمیاں

- طلبہ سبق میں مذکورہ کوئی بھی دو ترجمہ شدہ کتب تلاش کرکے کمرۂ جماعت میں پیش کریں گے۔
- طلبہ اپنی اپنی پسند کی کوئی کتاب کمرۂ جماعت میں لاکر اُس میں سے پسندیدہ حصّہ ساتھیوں کو سنائیں گے۔

برائے اساتذہ

- طلبہ کو تراجم کی ضرورت و اہمیت کے بارے میں تفصیل سے بتائیے۔
- ادبی کُتب کے انتخاب میں طلبہ کی مدد کیجیے۔